۱۲

اپنے نفوس کی اصلاح کی طرف توجہ کرو اور خدا تعالیٰ کی خشیت اور اس کی محبت پیدا کرو

(فرمودہ ۱۰؍ اپریل ۱۹۳۶ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

انسانی زندگی کے مختلف دَور ہوتے ہیں۔ کچھ ان حالات کے لحاظ سے جو انسان پر گزرتے ہیں اور کچھ اُس علم کے لحاظ سے جو اُسے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی کبھی تو وہ ایسے حالات میں سے گزر رہا ہوتا ہے جو اُس کی ترقی کا موجب ہوتے ہیں اور کبھی ایسے حالات میں سے گزر رہا ہوتا ہے جو اس کے تنزل کا موجب ہوتے ہیں۔ پھر کبھی وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں ایسے حالات میں سے گزر رہا ہوں جو میرے لئے ترقی کا سامان اپنے اندر رکھتے ہیں اور کبھی وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں ایسے حالات میں سے گزر رہا ہوں جو میرے لئے تنزّل کا سامان اپنے اندر رکھتے ہیں لیکن حقیقتاً اس کا خیال درست نہیں ہوتا۔ اس حالت میں جب وہ گھبراہٹ کا اظہار کر رہا ہوتا ہے اس کیلئے خوشی اور مسرت کا مقام ہوتا ہے اور جب خوشی کا اظہار کر رہا ہوتا ہے اس کیلئے گھبرانے اور رونے کا مقام ہوتا ہے۔

مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ اونچا کر رہا ہوتا ہے لیکن بظاہر انہیں اپنے سامنے مشکلات نظر آتی ہیں۔ مؤمنوں اور کفار کا مقابلہ بھی اِسی طرح کا ہوتا ہے۔ دونوں کی حالتیں درحقیقت عدمِ علم کی وجہ

سے ہوتی ہیں اور وہ ان سے گھبرا رہے ہوتے ہیں لیکن ان کی گھبراہٹ باموقع نہیں ہوتی اور دشمنوں کو اللہ تعالیٰ نیچا کر رہا ہوتا ہے جبکہ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی ترقی اور بلندی کے سامان ہو رہے ہیں وہ خوش ہو رہے ہوتے ہیں لیکن ان کی خوشی بھی باموقع اور بامحل نہیں ہوتی ۔ ہر ایک کو ان میں سے اللہ تعالیٰ غفلت میں رکھ رہا ہوتا ہے یہاں تک کہ فیصلہ کا وقت آجاتا ہے اور دونوں فریق اپنی اپنی جگہ حیران رہ جاتے ہیں ۔ وہ جو اس خیال میں دَوڑا چلا جا رہا تھا کہ مجھے تخت پر بٹھایا جانے والا ہے وہ یک لخت دیکھتا ہے کہ وہ پھانسی کے تختے پر کھڑا ہے اور جسے یہ خیال تھا کہ اُسے پھانسی کے تختہ کی طرف لے جایا جا رہا ہے وہ یکدم دیکھتا ہے کہ اُسے تختِ شاہی پر بٹھا دیا گیا ہے ۔ وہ انکشاف کا وقت عجیب وقت ہوتا ہے اِس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو ایسے حالات میں سے گزرنے کا موقع ملتا ہے ورنہ ایسے غیر معمولی حالات ہوتے ہیں کہ بعد میں آنے والی نسلیں بھی ان کو نہیں سمجھ سکتیں ۔

آج سے اُنیس سَو سال پہلے جب یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر لٹکا رہے تھے اُس وقت ان کے دلوں میں جو خوشی تھی آج اُس کا کون اندازہ کر سکتا ہے ۔ پھر اس وقت حضرت مسیح کے حواریوں کی جو کیفیت تھی اس کا بھی آج کون اندازہ لگا سکتا ہے ۔ جو گھبراہٹ اُس وقت حواریوں میں پیدا ہوئی وہ اِس بات سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ وہ غریب لوگ جو تلوار چلانا جانتے ہی نہ تھے بغیر اس خیال کے کہ ان کے اس فعل کا نتیجہ کیا ہوگا ان میں سے ایک نے جس کا نام پطرس تھا تلوار نکال لی اور شاہی فوجیوں سے لڑنے کیلئے تیار ہو گیا ۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اسے منع کیا اور کہا اِس سے کیا فائدہ ؟ پھر دوسرا اثر پطرس پر یہ پڑا کہ اُس نے حضرت مسیح پر لعنت بھیجی اور کہا میں اسے جانتا ہی نہیں ۔ گویا پہلا اثر تو یہ ہوُا کہ وہ بے محل لڑائی کیلئے تیار ہو گیا اور دوسرا اثر یہ ہوُا کہ اس نے بِلا وجہ اپنے آقا اور اُستاد کا انکار کر دیا ۔ خود حضرت مسیح کے قلب کی جو کیفیت تھی وہ اِس سے معلوم ہو سکتی ہے کہ وہی مسیح جن کے پاس ایک دفعہ اُن کی والدہ اور بھائی جب ملنے کیلئے آئے تو لوگوں نے اطلاع دی آپ کی ماں اور بھائی باہر کھڑے ہیں اور وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا کون ہے میرا بھائی ، کون ہے میری ماں ۔ لیکن دوسرے وقت کی ان کی قلبی کیفیت یہ تھی کہ جب اُن کو صلیب پر لٹکایا گیا اور انہوں نے ہجوم میں اپنی ماں کو کھڑے دیکھا تو ایک

حواری کو اشارہ کر کے انہوں نے اپنے پاس بلایا جب وہ پاس پہنچ گیا تو انہوں نے اُس کو کہا کہ تم جانتے ہو یہ عورت کون کھڑی ہے؟ دیکھو! یہ تمہاری ماں ہے اور اے عورت! یہ تیرا بیٹا ہے۔جس کے صاف طور پر یہ معنی تھے کہ وہ ظاہری حالات کے لحاظ سے یہ سمجھ رہے تھے کہ اب ان کا آخری وقت قریب ہے اور یہ کہ اب ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی ماں کی حفاظت اور اس کی تسلی کا کوئی انتظام کریں۔ پس انہوں نے اپنے ایک حواری کو پاس بلا کر کہہ دیا کہ تیرا فرض ہے کہ تُو اسے اپنی ماں سمجھے اور اے ماں! تُو اس کو میری جگہ بمنزلہ اپنے بیٹے کے سمجھنا۔ اُس وقت یہودی کتنے خوش تھے اور حواری کتنے رنجیدہ تھے مگر ان کو کیا علم تھا ان حالات کا جو بعد میں پیش آنے والے تھے۔ آج انیس سَو سال گزر گئے مگر کہیں بھی یہود کو آرام کی جگہ نہیں ملتی۔ ہر مُلک ان کیلئے تنگ ہو رہا ہے آخری ملک ان کے آرام کا انگلستان تھا مگر اب انگلستان میں بھی ان پر حملے شروع ہو گئے ہیں۔ اُنیس سَو سال کا عرصہ کتنا لمبا ہوتا ہے لوگ سَو سال کے بعد اپنے باپ دادوں کو بھول جاتے ہیں لیکن حضرت مسیحؑ کو دُکھ دینے والے آج انیس سَو سال کے بعد بھی وہ دُکھ اٹھا رہے ہیں جن کی نظیر اور کسی قوم میں نہیں مل سکتی اور وہ مسیحؑ جسے کانٹوں کا تاج پہنایا گیا اُس کی وہ عزت ہوئی کہ خدا اپنے عرش سے اُس کی تعریف کرتا اور قرآن مجید میں نہایت اعزاز کے ساتھ اس کا ذکر کرتا ہے اور عیسائی اس کی محبت میں اتنا غلوّ کرتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ وہ خدا کا اکلوتا بیٹا ہے جو عرش پر اس کے دائیں ہاتھ بیٹھا ہے۔ جو پھانسی پر لٹکانے والے تھے اُنہیں دنیا میں کوئی ٹھکانا نہیں تھا مگر جسے پھانسی پر لٹکایا گیا تھا اسے عرش پر بٹھا دیا گیا۔ پس اُس وقت کے جو یہود اور حواریوں کے جذبات تھے آج اُن کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا اسی طرح جو آج یہود اور حضرت مسیحؑ کے ماننے والوں کے جذبات ہیں ان کا پہلے لوگ بھی اندازہ نہیں کر سکتے تھے۔ کیا ان یہودیوں کے باپ دادے یہ اندازہ کر سکتے تھے کہ ہمارے اِس فعل کے نتیجہ میں کتنے ہزار سال تک ہماری اولادوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی چلی جائے گی؟ اور کیا حضرت مسیحؑ کے حواری یہ خیال کر سکتے تھے کہ ان کی اس قربانی کے نتیجہ میں باوجود اس کے کہ ان کی اولادیں دین کی مخالف ہو جائیں گی، باوجود اس کے کہ وہ دین میں ابتری پھیلانے والی بن جائیں گی پھر بھی خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرتی چلی جائیں گی؟

پس ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ بھی ایک نبی کی جماعت ہے اور اس سے بھی

اِس وقت وہی معاملہ ہو رہا ہے جو پہلوں سے ہؤا جس طرح پہلوں کو خدا تعالیٰ نے ہمیشہ اندھیرے میں رکھا یہاں تک کہ ایک دن اندھیرا دور ہو گیا اور خدا تعالیٰ نے اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیا اسی طرح ضروری ہے کہ ہمیں بھی اندھیرے میں رکھا جائے یہاں تک کہ اس اندھیرے کو دور کر دینے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہو جائے۔

مصائب کا آنا ضروری ہے، ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے، تکالیف کا آنا ضروری ہے، یہ سب چیزیں معمولی ہیں اور ان کی کوئی پرواہ نہیں کی جاسکتی۔ جس چیز کی پرواہ ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ یہ مصائب اور ابتلاء ایمانی نہ ہوں کیونکہ جہاں جسمانی مشکلات انسان کے درجہ کو بلند کرتی ہیں وہاں ایمانی مشکلات اس کے درجہ کو گرا دیتی ہیں۔ پس مؤمن کو ان مشکلات سے نہیں ڈرنا چاہئے جو دنیا کی طرف سے آتی ہیں بلکہ اسے ان مشکلات کا فکر کرنا چاہئے جو اس کے نفس کی طرف سے آتی ہیں مگر بہت لوگ ہیں جو ان مشکلات کی طرف نگاہ نہیں دَوڑاتے جو انسانی نفس سے پیدا ہوتی ہیں مگر وہ ان مشکلات پر نظر رکھتے ہیں جو دوسروں کی طرف سے آتی ہیں حالانکہ وہ مشکلات جو دوسروں کی طرف سے آئیں کھاد کی طرح ہوتی ہیں اور وہ مشکلات جو انسانی نفس کی طرف سے آئیں ایسی ہوتی ہیں جیسے جڑ پر تبر رکھ دیا جائے۔ پس چاہئے کہ ہر شخص جو روحانیت کی قدر کرتا ہے وہ ان مشکلات اور ظلموں کی طرف توجہ کرے جو نفس کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں وہ ظلم اصلی ظلم ہوتے ہیں اور وہ ظلم حقیقی خطرے کا موجب ہوتے ہیں کیونکہ بالکل ممکن ہے ان کے نتیجہ میں ہمارا ایک بھائی عرش سے فرش پر پھینک دیا جائے مگر جو دنیا کی طرف سے مصیبتیں آتی ہیں وہ ایسی ہوتی ہیں کہ انسان کو فرش سے عرش پر لے جاتی ہیں۔ پس بجائے اس کے کہ تم اپنی توجہ ان مشکلات کی طرف پھیرو جو بندے پیدا کر رہے ہیں میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ زیادہ تر اپنے قلوب کا مطالعہ کرے اور اپنے ایمانوں کو دیکھتی رہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں شیطان انسان کے خون کے ساتھ چلتا ہے [۱]۔ جس طرح خون میں پیداشُدہ زہر کا انسان کو علم بھی نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کی ہلاکت کا سامان مکمل ہو جاتا ہے اسی طرح شیطان انسان پر قبضہ کر رہا ہوتا ہے مگر اسے پتہ بھی نہیں لگتا یہاں تک کہ ایک دن وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ دنیا میں بہت سی بیماریاں ایسی ہیں جو کئی دن پہلے سے انسانی جسم پر اثر ڈالنا

شروع کر دیتی ہیں جیسے ہیضہ ہے، چیچک ہے، انفلوئنزا ہے، محرقہ ہے، طاعون ہے یہ مرضیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک دن، کوئی تین دن، کوئی سات دن اور کوئی پندرہ دن پہلے سے اثر ڈالنا شروع کر دیتی ہے مگر اس اثر کا علم نہیں ہوتا یہاں تک کہ خون کے ذریعہ وہ زہر تمام جسم میں سرایت کر جاتا ہے اور اُس وقت بیماری کا علم ہوتا ہے جب بیماری جسم پر اپنا قبضہ جمالیتی ہے اور انسان کیلئے اس سے بھاگنے کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ شیطان بھی ان راہوں سے آتا ہے جن راہوں کا انسان کو علم نہیں ہوتا اور جب ہوتا ہے تو اُس وقت ہوتا ہے بلکہ یوں کہو کہ اُس کے ساتھیوں کو علم ہوتا ہے جب شیطان اس پر پوری طرح قبضہ جمالیتا ہے۔ چونکہ دنیوی بیماریوں اور روحانی بیماریوں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ دُنیوی بیمار خود بھی محسوس کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں بیمار ہوں لیکن روحانی بیمار یہ سمجھتا ہے کہ میں اچھا ہوں اور مجھے بیمار کہنے والے غلطی خوردہ ہیں۔ گویا اُسے ایک قسم کا جنون ہوتا ہے۔ جس طرح پاگل سمجھتا ہے کہ میں پاگل نہیں بلکہ دوسرے لوگ پاگل ہیں اسی طرح وہ سمجھتا ہے کہ میں بیمار نہیں بلکہ مجھے بیمار کہنے والے خود بیمار ہیں۔ تو یوں سمجھنا چاہئے کہ جب شیطان انسان پر قبضہ کر لے تو اس کے دوستوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بیمار ہے مگر خود اپنے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ میں بالکل اچھا ہوں۔

پس ہماری جماعت کو اپنے نفس کی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ ہر شخص جو تکبر کرتا ہے اور اپنے آپ کو محفوظ اور مصئون سمجھتا ہے وہ سمجھے کہ وہ موت کی طرف جا رہا ہے۔ مؤمن کبھی بھی خدا تعالیٰ کی خشیت اور اس کے خوف سے خالی نہیں ہوا۔ رسول کریم ﷺ کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ آپ جب رات کو اُٹھتے تو اتنے عجز اور انکسار سے دعائیں کرتے کہ صحابہ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ ہمیں رحم آ جاتا[۲]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ معاف کر دیا ہے آپ کی نجات تو اعمال سے ہوگی آپ نے فرمایا عائشہ میری نجات بھی خدا تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے[۳]۔

پس جب رسول کریم ﷺ کی یہ حالت تھی تو اور کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں خدا تعالیٰ کے ابتلاء اور اس کی آزمائشوں سے بچ گیا ہوں۔ بعض صحابہ کہتے ہیں کہ ہم جب رسول کریم ﷺ کو دعائیں کرتے دیکھتے تو ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ ایک ہنڈیا جوش سے اُبل رہی ہے۔ پس اپنے نفوس کی

اصلاح کی طرف توجہ کرو اور تقویٰ و طہارت پیدا کرو اور مت سمجھو کہ تم نیک کام کر رہے ہو کیونکہ نیک سے نیک کام میں بھی بے ایمانی پیدا ہوسکتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ نہ معلوم کیا بات ہے کہ آجکل لوگ حج کر کے آتے ہیں تو ان کے قلوب میں آگے سے زیادہ رعونت اور بدی پیدا ہو چکی ہوتی ہے یہ نقص اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ حج کے مفہوم کو نہیں سمجھتے اور بجائے روحانی لحاظ سے کوئی فائدہ اُٹھانے کے محض حاجی بن جانے کی وجہ سے تکبر کرنے لگ جاتے ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی آپ ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ ایک بُڑھیا سردی کے دنوں میں رات کے وقت اسٹیشن پر تنہا بیٹھی تھی کہ کسی نے اُس کی چادر اُٹھالی جب اسے سردی لگی اور اُس نے چادر اوڑھنی چاہی تو اسے گم پایا۔ یہ دیکھ کر وہ آواز دے کر کہنے لگی ''بھائی حاجیا! میری تے اکو چادر سی میں پالے مر جاواں گی۔ تُو ایہہ تے مینوں واپس کر دے''۔ یعنی بھائی حاجی! میری تو ایک ہی چادر تھی اِس کی مجھے ضرورت ہے وہ مجھے واپس کر دے۔ یہ سن کر جس نے چادر اُٹھائی تھی شرمندہ ہوا اور اس نے اُس کی چادر اس کے پاس رکھ دی مگر ساتھ ہی اُس نے پوچھا تجھے یہ پتہ کس طرح لگا کہ چادر چُرانے والا کوئی حاجی ہے؟ وہ کہنے لگی کہ اس زمانہ میں اس قدر سنگدلی حاجی ہی کرتے ہیں۔

پس یہ مت خیال کرو کہ ہم نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں ، یہ مت خیال کرو کہ ہم نیک ارادے رکھتے ہیں کتنا ہی نیک کام انسان کر رہا ہو اس میں سے بدی پیدا ہوسکتی ہے اور کتنا ہی نیک ارادہ انسان رکھتا ہو وہ اس کے ایمان کو بگاڑ سکتا ہے کیونکہ ایمان ہمارے اعمال کے نتیجہ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے رحم کے نتیجہ میں آتا ہے۔ پس تم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے رحم پر نگاہ رکھو اور تمہاری نظر ہمیشہ اُس کے ہاتھوں کی طرف اُٹھے کیونکہ وہ سوالی جو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے اُٹھنے کے بعد میرے لئے اور کوئی دروازہ نہیں کھل سکتا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کر لیتا ہے۔ پس تمہاری نگاہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف اُٹھنی چاہئے جب تک تم اپنی نگاہ اس کی طرف رکھو گے تم محفوظ رہو گے کیونکہ جس کی خدا تعالیٰ کی طرف نگاہ اُٹھ رہی ہوا ُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر جونہی نظر کسی اور کی طرف پھیری جائے اور انسان اس کے دروازہ سے قدم اٹھالے پھر خواہ کتنے ہی نیک ارادے رکھے اور کتنے ہی اچھے کام کرے اس کا کہیں ٹھکانہ نہیں

رہتا بلکہ وہ شیطان کی بغل میں ہی جا کر بیٹھتا ہے۔

(الفضل ۱۸/اپریل ۱۹۳۶ء)

۱؎ بخاری کتاب الادب باب التکبیر والتسبیح (الخ)

۲؎ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الفتح باب لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰہ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ (الخ)

۳؎ بخاری کتاب الادب باب القصد والمداومة علی العمل